سید عابد علی عابد کی اقبال شناسی

Syed Abid Ali Abid, knowledge about Iqbal

Muhammad Raza
PhD Research Schalor, NUML Islamabad
Email: razamirza@gmail.com

Abstract

Syed Abid Ali Abid was a famous poet, critic, scholar, and teacher who contributed a lot in Urdu literature and linguistic. He was a true lover of Allama Iqbal and wrote many books and articles on Allamah's poetry and personality. He explored many hidden aspects and messages of Allamah's poetry and made easy his poetry by explaining and giving examples. The present article sheds lights on the biography of Syed Abid Ali and his contributions to Allamah' poetry .

Keywords: Iqbal, Syed Abid Ali, knowledge and biography

مقدمہ:

شاعرِ مشرق علامہ محمد اقبال کے کلام کو ہر کوئی نہیں سمجھ سکتا۔ان کے کلام کو سمجھنے کی دو راہیں اور ذریعے ہیں۔اول یہ کہ قاری خود صاحب علم و مطالعہ ہو یعنی وہ منطق، فلسفہ، تاریخ وغیرہ سے واقفیت رکھتا ہو، دوم یہ کہ علامہ اقبال کے کلام کو ایسے اہل علم و دانش حضرات کی وساطت سے سمجھ سکتا ہے جو علم فلسفہ، تاریخ اور علامہ اقبال کی حیات، فکر و فن اور کلام کی گہرائی کو بہتر طور پر جانتے ہوں۔ عموماً ثانی الذکر ذریعے سے علامہ کے کلام کو سمجھنے کی روایت زیادہ پائی جاتی ہے۔ اقبال شناس شخصیات کی تحریروں اور کتابوں کے مطالعے سے علامہ اقبال کی شخصیت اور ان کے کلام کو بہتر طور پر سمجھا سکتا ہے۔ اقبال شناس شخصیات میں سے ایک شخصیت اردو زبان و ادب کے مشہور نقّاد، شاعر اور استاد سید عابد علی عابد ہیں جنھوں نے علامہ اقبال کی فکر و فن اور شخصیت کے بارے میں مقالے اور کتابیں لکھی ہیں۔ان کی تحریریں اور کتابیں علامہ اقبال کی شخصیت اور کلام کو سمجھنے میں مدد دیتی ہیں۔

سید عابد علی عابد کی اقبال شناسی

سید عابد علی عابد مشہور نقاد، شاعر، محقق، ڈراما نگار، استاد، اقبال شناس شخصیت تھی۔ سید عابد علی عابد کی ولادت ۱۷ ستمبر ۱۹۰۶ء میں لاہور میں ہوئی ویکیپیڈیا کے مطابق اور بعض اہل قلم ان کی جائے ولادت ڈیرہ اسماعیل خان قرار دیتے ہیں لیکن ڈاکٹر سلیم اختر سید عابد علی عابد کی جائے ولادت کے بارے میں لکھتے ہیں:

"بعض حضرات کو یہ مغالطہ ہوا کہ عابد کی پیدائش ڈیرہ اسماعیل خان میں ہوئی تھی در اصل ان کی ابتدائی تعلیم ڈیرہ اسماعیل خان میں ہوئی۔"[۱]

تعلیم

سید عابد علی عابد نے ابتدائی تعلیم ڈیرہ اسماعیل خان میں حاصل کی اس کے بعد لاہور مشن ہائی سکول رنگ محل سے ۱۹۲۱ء میں میٹرک اور ۱۹۲۳ء میں بی۔اے پاس کیا۔ میٹرک اور ایف۔اے کے درمیان یعنی ۱۹۲۲ء میں منشی فاضل کا امتحان دیکر کامیاب ہوئے۔ سید عابد علی عابد نے بی۔اے کا امتحان پاس کرنے کے بعد لاء کالج لاہور سے ایل۔ایل۔بی کیا۔ حصولِ علم کا شوق اور جذبہ زیادہ تھا اس لئے انہوں نے اورینٹل کالج میں ایم۔اے فارسی میں داخلہ لیا۔

ملازمت

انھوں نے ابتدا میں وکالت کا پیشہ اختیار کیا لیکن اس پیشے سے کوئی رغبت اور دلچسپی نہیں تھی۔ سید عابد علی عابد کی وکالت کی طرف عدمِ رغبت خصوصاً گجرات میں گزارے ہوئے ایام کے بارے میں ڈاکٹر سلیم اختر یوں لکھتے ہیں:

"صاحب مطالعہ شاعر کو تھانہ کچہری اور چوروں، ڈاکوؤں سے کیا لینا؟۔۔۔ لہٰذا وکالت میں نام اور مقام پیدا نہ کر سکے۔"[۲]

جب میٹرک پاس کیا تو والدین نے ان کو لاہور سے ڈیرہ اسماعیل خان آنے کا حکم دیا اور انھوں نے ایک پرائیویٹ سکول میں معلم کی حیثیت سے پڑھانا شروع کیا۔ یہ سید عابد علی عابد کی زندگی کی اہم منزل کی طرف پہلا قدم تھا کیونکہ تخلیق و تحقیق اور تنقیدی صلاحیت واستعداد رکھنے والی شخصیت اپنی تحریر، تقریر اور تدریس کے ذریعے ایسے شاگرد پیدا کرنے میں کامیاب ہو گئی جن کی وجہ سے اردو زبان وادب زندہ ہے۔

سید عابد علی عابد نے ۱۹۳۲ء میں دیال سنگ کالج میں عارضی لیکچرار کی حیثیت سے ملازمت اختیار کی۔ ۱۹۳۷ء میں مستقل لیکچرار کی حیثیت سے اپنی ذمہ داری نبھاتے رہے۔ بعد ازاں ۱۹۴۷ء میں بطور پرنسپل تقرر ہوا۔ تقریباً سات سال پرنسپل کی حیثیت سے خدمات سرانجام دیتے رہے اسی دوران ٹرسٹ والوں سے اختلاف کی بنا پر ان کو پرنسپل کے عہدے سے نہ صرف ہٹا دیا گیا بلکہ ملازمت سے برخاست کر دیا۔ سید عابد علی عابد نے اس دوران صعوبتوں کے ساتھ زندگی گزاری۔ جس

کالج میں پہلے بحیثیت پرنسپل ذمہ داری نبھاتے رہے وہاں لیکچرار کی حیثیت سے فارسی پڑھانے پر مجبور ہو گئے۔ یقیناً ان کو ذہنی کوفت ہوئی ہو گی، ڈاکٹر سلیم نے اس واقعہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ایک حقیقت کی طرف اشارہ کیا ہے کہ اس طرح کے حالات اور سلسلہ ظلم اب بھی تسلسل کے ساتھ جاری ہے اس طرح کا سلسلہ اور روایت ایک صاحب فکر و نظر اور علمی سرمائے سے مالا مال شخصیت کے لیے مقتل گاہ کی صورت اور کیفیت ہے۔ڈاکٹر سلیم نے اس واقعہ اور تلخ حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

"پاکستان کے تعلیمی اداروں (بالخصوص جامعات) میں سٹاف کی باہمی سیاست کی وجہ سے جو غدر برپا رہتا ہے اس نے نہ جانے کتنوں کا کیریئر برباد کیا ہے عابد علی عابد بھی اسی سیاست کا شکار ہوئے۔"۔[۳]

سید عابد علی عابد کی شخصیت اردو زبان و ادب میں ممتاز اور منفرد نظر آتی ہے اور ان کی ذات میں موجود صفت اور خاصیت کسی اور ادیب میں نظر نہیں آتی۔ سید عابد علی عابد محفل یاراں میں ہوں، تشنگانِ علم کو سیر اب کرنے کے لئے کالج میں وہ تحقیق و تنقید کی دنیا میں فصاحت و بلاغت کا ایک مجسمہ تھے۔ ان کی تحریر و تنقید اور تقریر کے حوالے سے نقادوں کا خیال ہے کہ سید عابد علی عابد کے ہاں تمام امور میں قلم زد کرنے کی مثال نہیں ملتی۔ ۱۹۵۴ء تک سید عابد علی عابد کو شاعر، نقاد اور استاد کی حیثیت سے شہرت ملی۔

سید عابد علی عابد کی تخلیقات

سید عابد علی عابد نے تمام اصنافِ ادب میں اپنی صلاحیت کو بروئے کار لاتے ہوئے اردو زبان و ادب کو علمی سرمایے سے نوازا ہے۔ انہوں نے ناول، افسانے، تراجم، ڈرامے، شاعری اور تنقید کے میدان میں کمال درجہ حاصل کر لیا۔ تنقید کی دنیا میں مشہور نقاد کی حیثیت سے مشہور ہوئے اور انہوں نے جدید نظریۂ تنقید سے روشناس کرا دیا۔ ان کی تخلیقات میں ، اصولِ انتقاداتِ ادبیات، البیان، البدیع، مقالاتِ عابد، اسلوب، شعر اقبال، تلمیحاتِ اقبال وغیرہ ہیں

اقبال شناسی

سید عابد علی عابد نے ادب کے تقریبا ہر پہلو، صنف اور موضوع پر بہت کچھ لکھا ہے لیکن علامہ اقبال کے حوالے سے انکی تحریریں بہترین اور منفرد ہیں علامہ اقبال کے بارے میں انکی تحریروں اور تخلیقات کی روش اور اسلوب سے ہمیں یوں محسوس ہوتا ہے کہ انہوں نے اپنی ذات کو اقبال کے لیے مختص کر رکھا تھا۔ اقبال ایک روشن چراغ تھا یہی وجہ ہے کہ سید عابد علی عابد اپنے آپ کو اس چراغ کا پروانہ بنا کر علامہ اقبال کی فکر و فن اور خاص طور پر ان کے ہاں موجود مخفی گوشوں کو بہترین انداز

میں بیان کرتے رہے۔ سید عابد علی علامہ اقبال سے ملاقات کرنے کا شرف بھی حاصل کر چکے تھے۔ علامہ اقبال کی شاعری کو سمجھنے کے لیے یعنی اقبال شناسی کے لئے سید عابد علی عابد کی تخلیقات نہایت مددگار و معاون ثابت ہوتی ہیں اقبال شناسی کے حوالے سے ان کی تین گرانقدر تخلیقات موجود ہیں۔ شعر اقبال، تلمیحاتِ اقبال اور مقالات عابد جو اقبال کے فکر اور خصوصا اقبال کے فن پر لکھے گئے ہیں۔ ان مقالات کو شیما مجید نے نفائیس اقبال کے نام سے ترتیب دے کر کتاب کی صورت میں شائع کی ہے۔

علامہ اقبال کی شاعری کی تفہیم کے لئے سید عابد علی عابد کی کتاب 'شعر اقبال مفید کتاب ہے علامہ اقبال کے اشعار میں نہ صرف اس وقت کے سیاسی حالات کا ذکر موجود ہے بلکہ تلخ تاریخی حقائق کی طرف اشاہ وغیرہ بھی پایا جاتا ہے اور اس کی وضاحت سید عابد علی عابد نے اس وقت کے تاریخی پس منظر، ملت اسلامیہ کے عروج وزوال اور اسکے اسباب وغیرہ کے تناظر میں انگریزوں کی سازشوں، مسلم حکمرانوں کی عیش وعشرت اور عوام کی غفلت کے بارے میں تفصیل اور وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"تاریخ شاہد ہے کہ نوابانِ اودھ شاہان اودھ بن گئے اور کسی شخص نے احتجاج نہ کیا اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ کمپنی کے ہوتے ہوئے ان دونوں شاہ کی پاشاہ کے خطاب کی کیا حیثیت یا وقعت تھی۔ ۔۔۔ بہادر شاہ ظفر کے عہد حکومت میں (۱۸۵۷-۱۸۳۷) یہ طے ہو گیا تھا کہ بادشاہ کو جتنا ذلیل کیا جا سکتا ہے کیا جائے تا کہ آنکہ جب اسے معزول کیا جائے تو لوگوں کو کوئی تعجب ہو اور نہ کوئی افسوس"۔[۴]

عابد علی عابد نے اقبال شناسی کے حوالے سے بحث کا آغاز کرتے ہوئے علامہ اقبال کا کلاسیکی شعری روش سے استفادہ کر کے خارجی حالات اور قلبی واردات کو نمایاں کرنے کی کوشش سے کیا ہے۔ انھوں نے سوال اٹھاتے ہوئے علامہ اقبال کا اپنی ذات و شخصیت اور احساسات و جذبات کے اظہار کے لئے شعری میدان کا انتخاب کرتے ہوئے شعری روایات کو وسعت دینے کے پس منظر کو اس طرح لکھا ہے:

"در حقیقت اپنی شعری تخلیقات کی غایت متعین کرنے میں اقبال نے سر سید اور حالی سے بہت استفادہ کیا بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ اقبال نے سر سید اور حالی کے کام کی تکمیل کر دی بالفاظِ دیگر اقبال کی شعری تخلیق کا محرک سر سید کی تحریک اور حالی کا اسلوب فکر و اظہار تھا"۔[۵]

۱۸۵۷ ء میں ناکامی کے بعد مسلمان اور رہنما برے حالات سے گزر رہے تھے اہلِ فکر علما اور امرا کو قتل کیا گیا اور نا قابل یقین و برداشت اقتصادی بد حالی تھی۔ اس وقت ہندوستان میں بہت سارے خطرات تھے پہلا یہ کہ اس وقت مشنری اپنے مذموم مقاصد کو پورا کرنے میں مصروف تھا اور بانیان اسلام یعنی علما کے خلاف مختلف باتیں بنا کر پیش کر رہا تھا، مسلمان دو وجوہات عدمِ علم اور غربت کی وجہ سے ان کے دام میں آ گیا۔

دوسرا خطرہ مذہبِ اسلام کو انگریزی نصابِ تعلیم سے تھا کیونکہ اس سے فرار اختیار کرنا اہلِ ہند کو ناممکن تھا سر سید نے حالات کو بھانپ کر چند رفقا پر اعتماد کرتے ہوئے اپنے موقف اور مقاصد کی خاطر کوشش کرنے لگے۔

سید عابد علی عابد کا کہنا ہے کہ علامہ اقبال نے اس وقت یہ دراک کیا تھا کہ اسلام کو دینی امور میں جدید فکر کی ضرورت ہے اور یہ بھی بتایا کہ علامہ اقبال 'برگسان' سے متاثر تھے اور وجدان کو عقل پر فوقیت دیتے تھے۔ عقل حقیقت کے اس زاویے سے وابستہ ہے جو زمان اور مکان کی حدود میں مقید ہیں جبکہ وجدان بڑی حقیقت اور دائمی مشاہدے کو دریافت کرنے کی سعی کرتا ہے۔

عابد علی عابد کے مطابق علامہ اقبال سر سید کی طرح تھے۔ سر سید حالات سے باخبر تھے تو اقبال حالاتِ دوران اور جدید ماحول اور فضا کا مطالعہ کرتے ہوئے افکار اسلامی کے خلاف کسی بات کا منطقی اور مدلل طریقے سے جواب تحریر کرتے تھے۔

یہ علمی روایت قدیم سے چلی آ رہی ہے کہ کسی بھی شخصیت کے فن و فکر اور فلسفے کو سمجھنے کے لئے ان کی زندگی کے حالات، اساتذہ وغیرہ کی تربیت اور ان پر اہل علم شخصیات کے اثرات کا مطالعہ کرنا نہایت ضروری ہوتا ہے جیسے اس شخصیت کی تعلیم و تربیت، ماحول اور دوست احباب وغیرہ کے ذریعے ہی اس کی شخصیت کی حقیقت تک رسائی ممکن ہوتی ہے۔ انھوں نے اسی پہلو کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ حالی کا اثر اقبال پر نمایاں ہے اس ضمن میں انہوں نے تین چار باتوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ

۱۔ اقبال جب بھی حالی کا نام لیتے تھے تو عزت و احترام سے لیتے تھے۔

۲۔ حالی کی برسی پر اقبال نے دلفریب اشعار لکھے ہیں۔

۳۔ نظم 'شکوہ اور جواب شکوہ'، مسدس کی صورت میں لکھی موضوع کے اعتبار سے حالی اور اقبال کا رنگ ایک جیسا ہے۔

۴۔ سیاسی شعور اور رنگ تغزل و علامت کا استعمال میں مشترک ہے۔

۵۔ اظہار میں صداقت ہے۔ افکار کے ذریعے ملت کو بیدار کرنے کی خواہش کرتے تھے۔

عابد علی عابد نے ذمہ دارانہ انداز میں علامہ اقبال کی ابتدائی تعلیم وتربیت، احباب، داغ کی شاعری ان سے اصلاح و رہنمائی لینے کی روایات وغیرہ کو تفصیل سے بیان کیا ہے۔ اقبال کی تاریخِ ولادت اور ذات کے بارے میں عابد علی عابد لکھتے ہیں:'اقبال اصلاً کشمیری برہمن تھے یعنی خالص آریائی نژاد، ان کی ولادت کی تاریخ ۹ نومبر ۱۸۷۷ء اور مسقط الراس سیالکوٹ ہے ۶"

علامہ اقبال مولوی غلام حسن کے ہاں ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کے لیے جایا کرتے تھے اس دوران اس وقت کے انسان شناس اور اہلِ خرد و دانش کو پہچاننے والی شخصیت مولوی سید میر حسن نے اقبال کی ذہانت وفطانت کو مشاہدہ کرتے ہوئے مولانا غلام حسن سے التماس کر کے اقبال کو اپنی شاگردی میں لیکر ان کی تعلیم وتربیت کا خاص خیال رکھا۔ علامہ اقبال نے مولوی میر حسن سے فارسی کی تعلیم حاصل کی۔ سید عابد علی عابد نے علامہ اقبال کو فارسی زبان پر عبور حاصل ہونے کی اصل وجہ بتاتے ہوئے لکھتے ہیں:

"مولانا میر حسن نے جب اقبال کو گلستان، بوستان، سکندر نامہ، انوار سہیلی اور ظہوری کی تصانیف پڑھائیں تو رسمی اندازِ تدریس سے قطع نظر کر کے یہ کوشش کی کہ اقبال کے دل میں فارسی ادب کا احترام پیدا ہو جائے۔"۷

انھوں نے اقبال کا فارسی اور فلسفے پر دسترس کا ذکر کیا ہے کہ اقبال نے "گلستان" سے فصاحت وبلاغت نصائح واخلاق اور محاورات کے استعمال کا فن سیکھے اور پروفیسر آرنلڈ سے فلسفہ پڑھا۔ میر حسن نے تصوف اور فلسفہ کے حوالے سے بھی اقبال کو کچھ حد تک آگاہ کر دیا تھا، پروفیسر آرنلڈ نے بھی اقبال کی صلاحیت اور استعداد کی وجہ سے میر حسن کی طرح خصوصی توجہ دی۔

سید عابد علی عابد اقبال کے فلسفی نظریات میں وسعت آنے کے حوالے سے پروفیسر آرنلڈ سے اقبال کی ملاقات، ان کی محفل میں شرکت اور اقبال کا مشرقی اور مغربی فلسفہ کا تقابل پیش کرنے کے بارے میں لکھتے ہیں

"اقبال کالج میں بھی آرنلڈ سے تعلیم حاصل کرتے تھے اور ان کی نجی محفلوں میں بھی شریک ہوتے تھے قیاس ہے کہ مشرق اور مغرب کی حکمت اور فلسفے کا موازنہ اقبال نے اسی مرحلے پر شروع کیا ہو گا۔"۸

علامہ اقبال کی پہلی غزل

سید عابد نے علامہ اقبال کی غزل لکھنے کی ابتدا اور پہلے مشاعرے میں شرکت کرنے کے بارے میں بھی لکھا ہے۔ان کے مطابق علامہ اقبال نے پہلی غزل انجمنِ اتحاد کے تحت ہونے والے ہفتہ وار محفل شعر میں سنائی۔اور اس مشاعرے میں جو شعر بہت مشہور ہوا اس کو اپنی کتاب میں شامل کیا ہے

موتی سمجھ کے شان کریمی نے چن لئے
قطرے جو تھے مرے عرقِ انفعال کے

مزید بر آں انھوں نے علامہ اقبال کی شاعری کی ابتدا اور پہلی غزل کے بارے میں عبداللہ قریشی کی تحقیق کا ذکر کرتے ہوئے کہا ہے کہ ان کے مطابق علامہ اقبال سیالکوٹ سے ہی شعر کہنا شروع کر چکا تھا۔

سید عابد علی عابد نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ علامہ اقبال لاہور آمد سے پہلے علم عروض وغیرہ پر گرفت حاصل کر چکے تھے اور ساتھ ہی علامہ اقبال کا داغ سے اصلاح اور رہنمائی لیتے ہوئے ان کی شاگردی قبول کرنے کی وجہ بھی بتائی ہے کہ ان کو اس بات کا علم تھا کہ اس وقت داغ سے زیادہ اردو زبان کی باریکیاں اور نزاکت کو سمجھنے والا کوئی اور نہیں ہے۔سید عابد علی عابد نے اقبال کی شاعری کی بحث کے ضمن میں داغ کے حالات زندگی کو بھی نہایت جامع انداز میں بیان کیا ہے کیونکہ اقبال پر داغ کے بھی گہرے اثرات تھے جب تک داغ کا رنگ اور اسلوب کا علم نہ اس وقت تک اقبال کے اشعار کی تفہیم ممکن نہیں۔ان کا کہنا ہے کہ اردو شعری روایت داغ کے دور میں جمود رہی لیکن داغ کے کلام میں ایک خصوصیت یہ تھی کہ ان کے ہاں علائم اور رموز میں حرکت باقی تھی اور اقبال نے بھی داغ کے کلام کا اسی تناظر میں مطالعہ کیا۔

داغ نے گل وگلزار کی علامت سے جو معنی پیدا کیا ہے وہ وسیع تر ہے خارجی حالات وغیرہ کے بارے میں بتایا ہے

ہوا ہے خون کی چھینٹوں سے پیرہن گلزار
تیرے شہید کا لاشہ بہار سے اٹھا
رنگِ گل، نغمۂ بلبل اثرِ بادِ بہار
جب سے ہم قید ہوئے کوئی گلستان میں نہیں

اقبال نے بھی گل وگلزار بلبل وغیرہ کو الگ نوعیت کی علامت کے لئے استعمال کیا۔سید عابد علی عابد کا کہنا ہے کہ اقبال ابتدا میں علامات کو بھی داغ کی طبعیت میں روایتی مفہوم لیتا ہے لیکن بہت جلد ارتقائی منزل کو طے کرتے ہوئے ان کے ہاں مفہومِ وعلامت میں تبدیلی آجاتی ہے۔

علامہ اقبال کی تخلیق کے ابتدائی عوامل واسباب اور اثرات

سید عابد علی عابد وثوق کے ساتھ کہتے ہیں کہ اقبال کا سفر یورپ سے پہلے داغ کی صحبت اور اس سے بڑھ کر وسیع مطالعے کے سبب انکی شاعری میں نکھار آ گیا تھا۔ انھوں نے علامہ اقبال کی ۱۹۰۵ء تک کی شاعری اور تخلیقات کے تین عوامل کا ذکر کیا ہے:

۱۔ مناظرِ فطرت کے مشاہدات، ۲۔ حب وطن اور اہل وطن سے محبت ۳۔ عقل اور عشق الہام وادراک اور تضاد وغیرہ انھوں نے علامہ اقبال کی مناظر فطرت پر مشتمل اشعار کو اعلیٰ نمونہ قرار دیا ہے کیونکہ علامہ اقبال مناظر فطرت میں حرکت وجان دیکھنے کی خواہش کرتے ہیں:

لذت سرود کی ہو چڑیوں کے چہچہوں میں
چشمے کی شورشوں میں باجا سا بج رہا ہو
ہو دل فریب ایسا کہسار کا نظارہ
پانی بھی موج بن کر اٹھ اٹھ کے دیکھتا ہو

علامہ اقبال کی سیاسی بصیرت اور جغرافیائی تصور یعنی وطنیت کا تصور ابتدا میں خاص رنگ کے ساتھ ظاہر ہوتا ہے لیکن بہت جلد ان تصورات سے صرفِ نظر کرتے ہوئے انہوں نے بہت بڑی تبدیلی لائی۔ پہلے ہندوستان اور اہلِ ہند کی تعریف یوں کرتے دکھائی دیتے ہیں

سارے جہاں سے اچھا ہندوستان ہمارا
ہم بلبلیں ہیں اس کی یہ گلستان ہمارا

اپنے اس نظریے سے بہت جلد انحراف کیا اور انھوں نے بعض اشعار کو قلم زد کر دیا۔ علامہ اقبال کا سفر یورپ، فکری انقلاب اور علامہ اقبال کے نظریہ وطنیت میں تبدیلی اور شاعری ترک کرنے کے ارادے کی وضاحت بھی کی ہے۔ مغرب کی تہذیب کو غور سے مشاہدہ کرنے کے بعد اقبال نے روایتی وجغرافیائی حدود پر مشتمل نظریہ وطنیت سے انحراف کر کے اسلامی روایات اور تہذیب کی روشنی میں وطنیت کا تصور پیش کیا:

چین و عرب ہمارا ہندوستان ہمارا

مسلم ہیں ہم وطن ہے سارا جہاں ہمارا

علامہ اقبال نے شعر گوئی ترک کرنے کا ارادہ کیا لیکن شیخ عبد القادر، پروفیسر آرنلڈ اور عطیہ بیگم کے مشورے کے باعث اپنے ارادے پر عمل نہیں کیا۔ سید عابد علی عابد نے علامہ اقبال کے ترکِ شاعری اور مشوّش کیفیت کی طرف اشارہ کر کے بتایا ہے کہ جب مغرب کی مکروہ تہذیبی صورت سامنے آئی اور اس سے نالاں ہونے کے ساتھ اہلِ مغرب کے ذوق عمل سے متاثر بھی ہوئے اسی کشمکش میں علامہ اقبال نے شعر کہنا چھوڑنے کا ارادہ کیا تھا۔ سید عابد علی عابد اس حقیقت کی تفصیل اس طرح بیان کرتے ہی:۔

"حقیقت یہ ہے کہ اقبال شعر کہنا ترک نہیں کرنا چاہتے تھے بلکہ آرزوئے ترک شعر کے پردے میں جو حقیقت مخفی تھی وہ یہ تھی کہ وہ ایسے اشعار نہیں کہنا چاہتے تھے جو ملت کو ذوق عمل سے عاری کر دیں اور تغزل و تصوف کی لوریاں دے کر نروان یا فنا کی میٹھی نیند سلا دیں۔"۹

اقبال کا احساسِ تنہائی

سید عابد علی عابد نے علامہ اقبال کا احساس تنہائی کی بات کو نہ صرف نہایت عمدگی کے ساتھ بیان کیا ہے بلکہ پس منظر کو بیان کرنے کے ساتھ اشعار کو بھی نقل کیا ہے۔ علامہ اقبال کی عطیہ بیگم سے کیمبرج میں ملاقات ہوئی اور ان کی ذہانت سے بہت متاثر ہوئے اور بار بار ملاقات ہوتی رہی۔ علامہ اقبال نے عطیہ سے علمی معاونت لینے کے ساتھ بحث بھی کرتے رہے اور ان کے مابین مستقبل میں انجام دینے والے امور کے بارے میں گفتگو بھی ہوتی رہی۔ علامہ اقبال جب جرمن میں حصولِ علم فلسفہ میں مصروف تھے اس وقت دو نو عمر خواتین (ویگے ناست، پینے شل) ان کو فلسفہ پڑھاتی تھیں۔ قیام یورپ کے دوران اقبال کے دل پر 'ویگے ناست اور 'پینے شل' کے ہمدردانہ اسلوبِ تدریس کا بہت گہرا اثر ہوا اور عطیہ میں انہوں نے رفیق ہم نوا، ہم خیال ، مخلص دوست اور وفاداری کا اس پہلو کو دیکھا جس کی تمنا ہر انسان کو بالعموم اور فن کار اور تخلیق کار کو بالخصوص رہتی ہے۔ عطیہ کو مسلسل خطوط لکھتے رہتے تھے بقول عابد علی عابد کے "عطیہ کی طباعی اور ذہانت اور اصابت رائے متعدد موقعوں پر اقبال کے کام آئی اور اقبال نے یہ محسوس کیا کہ یہ خاتون ذہنی طور پر ایسا مقام بلند رکھتی ہے۔ کہ اس کی رفاقت کا میسر آجانا مغتنمات میں سے ہے۔

سید عابد علی علامہ اقبال کے احساسِ تنہائی کے دورانیے کو ۱۹۰۹ء سے ۱۹۱۱ء تک قرار دیتے ہیں اسی زمانے میں 'عاشق ہر جائی کے نام سے ایک نظم لکھی۔ اس دوران اقبال کی حالت اور نظم کے بارے میں پروفیسر یوسف سلیم یوں لکھتے ہیں:

"اقبال کی طبیعت میں متضاد باتیں جمع ہو گئی ہیں؛ مثلاً وہ رونق محفل بھی ہے اور تنہا بھی ہے زینتِ گلشن بھی ہے آرائش صحرا بھی ہے زمین فرسا بھی ہے فلک پیما بھی"۔ ۱۰

عطیہ سے ہمنشینی کے بعد جو نظمیں لکھی ان میں 'سیر فلک، بندگی نامہ ہیں عطیہ سے مسلسل خط و کتابت کرتے رہے اور کھل کر تمام موضوع پر گفتگو کرتے تھے۔ خطوط کے جواب ملنے پر شکریہ ادا کرتے تھے کیونکہ اقبال سے بے تکلفانہ انداز سے ملنے والے دوستوں کی تعداد بہت تھی، ایک بار دورانِ خطوط اقبال کو عطیہ کی ناراحت و ناراضگی کا علم ہوا تو رنجیدہ ہوئے انہوں نے صراحت سے جو بات کہی اس کو عابد علی عابد نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں "مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کسی نے میری شاعری کی خوبصورت دیوی کو قتل کر دیا ہے"۔ ۱۱

عطیہ بیگم سے اقبال آخرِ عمر تک رابطے میں رہے۔ آخری نامہ اقبال نے ستمبر ۱۹۳۱ء میں لکھا اس نامہ میں ایک شعر تھا:

عالمِ جوشِ جنوں ہے روا کیا کیا کچھ
کہئے کیا حکم ہے دیوانہ بنوں یا نہ بنوں

علامہ اقبال کے احساسِ تنہائی کے اور بھی بہت سے اسباب اور وجوہات ہیں علامہ اقبال یورپ سے واپس آنے کے بعد زیادہ ذہنی اذیت سے گزرے اس کیفیت اور پہلو کو بیان کرتے ہوئے ہوئے 'جاوید اقبال نے لکھا ہے:

"یورپ سے واپسی کے بعد اقبال کے لئے سب سے بڑا مسئلہ فراہمی روزگار تھا اور یہ وہ زمانہ ان کے لئے بلاشبہہ شدید تذبذب اور اضطراب کا تھا مگر اس زمانے میں باپ اور بھائی کی کوششوں کے باوجود اقبال اور کریم بی ایک دوسرے کے قریب نہ آسکے کریم بی بچوں سمیت اپنے والدین کے ساتھ رہنا پسند کرتی تھی اور اس سلسلے میں اقبال کو جو ذہنی اذیت تھی وہ عطیہ فیضی کے نام ان کے خط محررہ ۱۹ اپریل ۱۹۰۹ء سے ظاہر ہے۔" ۱۲

اقبال نے احساسِ تنہائی کا اظہار ان اشعار کے ساتھ کرتے تھے

تنہائیِ شب میں ہے حزیں کیا
انجم نہیں تیرے ہم نشیں کیا

شدم بہ حضرتِ یزداں گزشتم از مہ و مہر
کہ در جہاں تو یک ذرّہ آشنا یم نیست
جہاں تہی زدل ومشتِ خاکِ من ہمہ دل

چمن خوش است ولے درخورِ نوایم نیست
تبسمے بہ لبِ او رسید وہیچ نہ نگفت
ہر یکے مانند ما بیچارہ است
در فضائے نیلگوں آوارہ است

علامہ اقبال کا فارسی زبان میں اظہارِ خیال

عابد علی عابد نے علامہ اقبال کا فارسی زبان میں اظہارِ خیال کرنے کی طرف اشارہ کر کے اس کا جواب احسن طریقے سے دیا ہے کہ علامہ اقبال کا کہنا تھا کہ میں نے عجمی فلسفوں کو پڑھنے کے ساتھ تحقیق بھی کی اس لیے ایران کی تہذیب وثقافت زبان ونزاکت سے باخبر ہوں اور میں فارسی زبان پر زیادہ گرفت رکھتا ہوں اسی زبان کے ذریعے عجمی فلسفے اور اپنے خیالات کا اظہار کرنا چاہتا ہوں دوسری بات یہ ہے کہ اکثر اسلامی ممالک میں فارسی زبان سمجھی اور بولی جاتی ہے۔

دوسری اہم بات جس کی طرف عابد علی عابد نے اشارہ کیا ہے کہ

فکر رنگینم کند نذرِ تہی دستانِ شرق
پارۂ لعلے کہ دارم از بدخشانِ شما

علامہ اقبال جس درّ نایاب کی تلاش وجستجو میں سرگردان تھے آخر وہ موتی ایران کے بدخشاں سے ہاتھ آگئی، اس کا مطلب مولانا رومی کا کلام تھا۔ اقبال اپنے آپ کو مریدِ رومی کہتے ہوئے فخر کے ساتھ ان کو مرشد قرار دیتے ہیں ان کے کلام نے اقبال کے ذہن کو فکر اسلامی سے فروزاں کیا۔

تصوفِ عجم

سید عابد علی عابد کا کہنا ہے کہ اقبال تصوف کا کلی طور پر مخالفت نہیں کرتے تھے اور ان کو تصوّفِ عجم سے اختلاف تھا تو اس کی چند وجوہات تھیں

پہلی وجہ۔ عناصرِ تصوفِ عجم اسلامی تعلیمات کے مخالف تھے

دوسری وجہ۔ اس تصوف کی وجہ سے فرد اور معاشرے میں جمود اور بے عملی پیدا ہوتی تھی۔

تیسری وجہ۔ تلاش وجستجو اور سوئے منزل کی طرف طاقتِ پرواز میں ماندگی وخستگی کا خدشہ تھا۔

چوتھی وجہ۔ مسلمانوں کے مابین اختلافات کا باعث بن رہا تھا۔ اقبال نے اپنی صدائے احتجاج بلند کرتے ہوئے نظم "اسرار خودی لکھی"۔

ہوشیار از حافظ صہبا گسار
جامش از زہرِ اجل سرمایہ دار
آں فقیہِ ملتِ مے خوار گان
آن امامِ امتِ بے چار گاں
محفلِ او در خورِ ابرار نیست
ساعزِ او قابل احرار نیست
بے نیاز از محفلِ حافظ گزر
الحذر از گوسفنداں الحذر

اقبال نے مطالعہ کیا تو یہ بات سامنے آئی کہ ہر کوئی تصوف کی الگ الگ تعریف کر رہا تھا بعض حقائقِ ربّانی بعض "علتِ اظہارِ حسن، جبکہ آتش پرست کا خیال یہ تھا کہ آتش سب سے اہم اور مقدس شیئ ہے جو خدا کے علاوہ سب کو راکھ کر دیتی ہے۔ اس تصوف کی وجہ سے مسلمان احساسِ مسرت سے عاری ہونے کے علاوہ ان کو بے مقصد اور صعوبتو ں سے پُر زندگی گزارنا پڑتی تھی۔ انھوں نے اس بات کی وضاحت کی ہے کہ اقبال صوفیوں کے خلاف نہیں تھے کیونکہ بعض صوفیائے کرام کا نام احترام سے لیتے ہیں علامہ اقبال ان صوفیائے کرام کی مخالفت کرتے ہیں جو اصولِ اسلام اور حقیقتِ تصوف سے تہی دست تھے

۔

علامہ اقبال نے انجمن حمایت اسلام کے جلسے میں اس موضوع پر خطاب کرتے ہوئے اس بات کا ذکر کیا کہ خود بھی اس تصوف کی فضامیں کچھ مدت رہ چکا ہے یہی وجہ تھی کہ انھوں نے اس سے لاتعلقی اور بیزاری کا اعلان کیا۔ سید عابد علی عابد کی اس بات کی تصدیق جاوید اقبال کی تحریر سے بھی ہوتی ہے:

"حقیقت میں وجودی تصوف سے انحراف کا اعلان اقبال نے پہلی بار ۱۹۱۴ء میں انجمن حمایت اسلام کے جلسہ میں عجمی تصوف اور اسلام کے موضوع پر خطبہ دیتے ہوئے کیا۔"۔ ۱۳؎

علامہ اقبال تین سال تک لوگوں سے بحث ومباحثہ کرتے رہے اور مضامین کے ذریعے دلیل کے ساتھ اپنے موقف کی وضاحت کرتے رہے۔ اقبال نے تصوف عجم کی کھل کر مخالفت کی۔ اقبال نے اس ضمن میں بعض لفظ کو خاص انداز اور شدت کے ساتھ استعمال کیا کہ اس کے معنی ومفہوم میں تبدیلی آگئی۔ اثبات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے عابد علی عابد لکھتے ہیں:

"جب وہ عجمی تصوف کے مہلک عناصر کے خلاف احتجاج کرتے ہیں تو نوکِ نشتر سے کام نہیں لیتے بلکہ ان کے ہاتھ میں استحقار کی تیغ خار اشگاف ہوتی ہے۔ جو مخالفوں کو ڈھیر کرتی چلی جاتی ہے"۔ ۱۴

زبور عجم میں اقبال لکھتے ہیں:

ہے ذوق تجلی بھی اسی خاک میں پنہاں
غافل تو ترا صاحبِ ادراک نہیں ہے
کیا صوفی وملا کو خبر میرے جنوں کی
ان کا سر دامن بھی ابھی چاک نہیں ہے

اقبالؒ اور مقامِ رسالت

شمعِ رسالت کا پروانہ بن کر بساط کے مطابق، ہدیۂ نعت لکھ کر حضرت محمدؐ سے عقیدت ومحبت کا اظہار کرنے کی کاوش ہر شاعر کے ہاں نظر آتی ہے۔ اقبال کے رگ وخون میں محبتِ رسالتمآبؐ تھی یہی وجہ ہے کہ علامہ اقبال نے جس طرح شانِ نبی کریمؐ کو بیان کیا ہے کہ ان کا ہر ہر شعر پڑھ کر انسان دنگ رہ جاتا ہے۔ سید عابد علی عابد نے علامہ اقبال کا رسول پاکؐ سے اظہار عقیدت کو نہایت عمدگی سے بحث کی ہے علامہ اقبال کے نعتیہ اشعار کے حوالے سے عابد علی عابد لکھتے ہیں

"یوں تو فارسی اور اردو زبان کا شاید کوئی ایسا بدنصیب شاعر ہو جس نے نعت رسولؐ لکھ کر اپنی عقیدت اور شیفتگی کا اظہار نہ کیا ہو۔ لیکن اقبال نے مقام رسالتؐ پر جو کچھ لکھا ہے وہ عقیدت کے اس مقامِ پُر اسرار سے لکھا ہے جسے محبت کہتے ہیں۔" ۱۵

اس موضوع کے متعلق انھوں نے علامہ اقبال اور مایوسی کی کیفیت پر بھی تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔ اقبال کے مطابق کسی بھی حقیقت سے آشنا ہونے کی دو ہی راہ اور ذریعے ہیں ایک مشاہداہ کے ذریعے، دوسر راہ کشف والہام کی وساطت سے لیکن کشف والہام کی راہ انتہائی نازک راہ ہے اس میں اگر استعداد یا قلب ونظر میں ذرا سی کجی ہو تو اصل حقیقت کی روپ اور شکل بدل جاتی ہے۔ اقبال نے صاحب کشف والہام کا دعویٰ کرنے والے یعنی جھل مرکب میں پڑے ہوئے چند شخصیات کی

واردات کا مطالعہ کر کے ان کو تہی دست قرار دیا ہے۔ علامہ اقبال کو ملت اسلامیہ میں ایسی عظیم و قابل شخصیت نہیں ملی جن کو نمونہ قرار دے سکے اس وجہ سے اقبال کے ہاں مایوسی کی کیفیت نظر آتی ہے

مشرق　خراب　ومغرب　ازاں　بیشتر　خراب
عالم　تمام　مردہ　وبے　ذوقِ　جستجو　است
ساقی　بیاد　بادہ　وبزم　شبانہ　ساز
مارا　خراب　یک　نگہَ　محرمانہ　ساز

علامہ اقبال جب دنیا کے دانشوروں اور فلسفیوں سے مایوس ہوئے تو ذات نبیؐ کی سیرت کی طرف پلٹ کر مطالعہ کرتے ہیں جہاں کسی بھی نوعیت اور کسی بھی پہلو میں کمی و نقص کا شائبہ تک نہیں پایا جاتا۔ اقبال اس پاک ذات ﷺ کی محبت عشق میں فنا ہو کر اظہار محبت کرتے ہیں۔ عابد علی عابد نے دوسرے شعرا کے بہترین اشعار کو علامہ اقبال کی نعت اور اظہار عقیدت سے موازنہ پیش کر کے کلامِ اقبال کو اعلیٰ وارفع قرار دیتے ہیں جیسے:

مرحبا　سید　مکی　المدنی　العربی
دل　وجان　باد　فدایت　چہ　عجب　خوش　لقبی
نسبتِ　خود　بہ　سگت　کردم　وبس　منفعلم

زان کہ نسبت بہ سگِ کوئے تو شد بے ادبی

"ہزار　مرتبہ　شویم　دہن　زمشک　وگلاب
ہنوز　نامِ　تو　گفتن　کمالِ　بے　ادبی　است"

سید عابد علی عابد نے نعتیہ پہلو کو بھی ارتقائی مراحل کے ساتھ بیان کیا ہے۔ پہلے مرحلے میں اقبال نے جواب شکوہ میں لکھتے ہیں:

کی　محمدؐ　سے　وفا　تو　نے　تو　ہم　تیرے　ہیں
یہ　جہاں　چیز　ہے　کیا　لوح　و　قلم　تیرے　ہیں

عابد علی عابد کے بقول اقبال ذات رسول گرامیٔ قدر کی محبت میں اس مقام پُر اسرار تک پہنچا جسے عشق کا نام دیا جاتا ہے۔ پھر اس طرح گویا ہوتے ہیں۔

باخدا در پردہ　گویم　با　تو　گویم　آشکار

یارسول　　اللہ　　اوپنہاں　　توپیدا ے　　من

فکرِ اقبال عقیدت وعشق رسولؐ پاک کے حوالے نہایت عمیق ہے۔ اقبال وہ ماہر غواص تھے جو عشق نبی کریمؐ کے سمندر میں غوطہ زن ہو کر موتیوں کو نکال کر دیکھانے کی کوشش کرتے رہے۔اقبال کا فلسفہ یہ تھا اگر امت مسلمہ سیرت واخلاق نبی پاکؐ پر گامزن ہوں تو نئی دنیا آباد کر سکتی ہے۔ قتل وغارت نفرت اور تعصب ختم ہو سکتا ہے۔اگر قول رسول کریم ﷺ پر عمل کرے تو انسان تمام خرافات سے محفوظ رہ سکتا ہے۔علامہ اقبال نے ان تمام افراد جن کی تحریروں اور تقریروں میں اسلامی تہذیب،اصول، آداب اور رنگ کے علاوہ نئی تہذیب اور رنگ داخل کرنے کی سازش اور کوششیں کیں ان سب کی مخالفت کرتے ہوئے مدلل اور منطقی جواب دیتے ہوئے ان کی تحریروں کو گمراہ کن قرار دیا۔

عجم　　ہنوز　　نداند　　رموزِ　　دیں　　ورنہ

زدیوبندِ　　حسین　　احمدایں　　چہ　　بوالعجمی　　است

سرود　　برسرِ منبر کہ　　ملت　　از　　وطن　　است

چہ　　بے　　خبر زمقام　　محمدؐ　　عربی　　است

بہ　　مصطفیٰؐ　　برساں　　خویش　　راکہ　　دیں　　ہمہ　　اوست

اگر　　بہ　　او　　نہ　　رسیدی　　تمام　　بولہبی　　است

ذکر نبی پاکؐ سے علامہ اقبال سرشار ہوتا ہے اور حضور پاکؐ کی ذات کو تمام فیوض کا منبع قرار دیتے ہیں۔

اقبال کے شعورِ تخلیق کا ابلاغ واظہار

مطابقتِ الفاظ ومعانی

کسی بھی صنف ادب خاص کر شاعری کے حوالے سے یہ بات مسلم ہے کہ ایک بار جب پیمانے اور اصول اور وضع ہوتی ہیں تو نقّاد اشعار اور تخلیقات کو اس پیمانے اور اصول کے تحت پرکھتا ہے اور تخلیقات کی خوبی وخامی اور کمی ونقص کی طرف نشاندہی کرتا ہے۔خیال جب لفظوں سے ہم جان ہو کر ظاہر ہو جائے تو اس تحریر کی لطافت اور حسن وقت میں اضافہ ہوتا ہے خیال اور الفاظ کو جزءلاینفک کی صورت میں ظاہر کیا جائے تو وہ کمال تحریر شمار ہوتی ہے۔شاعری میں ایک تو صوت آہنگ کا خیال رکھا جاتا ہے یہ قدرِ آسان مرحلہ ہے لیکن خیال کو کلی طور پر بغیر کمی کاستی کے قافیہ ردیف کے پیمانے کے مطابق بیان کرنا بہت مشکل مرحلہ ہے یہ وصف کاملیت کے ساتھ بہت کم شعرا کے ہاں پایا جاتا ہے۔سید عابد علی عابد نے علامہ اقبال کی شاعری میں مطابقت

الفاظ و معانی اور خیال کے موضوع پر مدلل اور دلچسپ بحث کی ہے۔ سید عابد علی عابد خود ایک مشہور نقاد بھی ہیں اردو کے علاوہ انہوں نے ادبیاتِ عرب اور فارسی کی روش کے بارے میں لکھا ہے کہ عربی میں معانی کی نسبت الفاظ کو اہمیت دی ہے جبکہ فارس والوں نے معانی کی عظمت اور جمال کو اہمیت دی ہے۔ بعض کا یہ خیال ہے کہ الفاظ جسم ہے اور معنی و مضمون روح اگر الفاظ اچھے ہوں لیکن معنی بہتر نہ ہو یا مضمون اچھا ہو الفاظ اگر مناسب نہ ہو تو اس تحریر کی اہمیت اور حسن ختم ہو جاتا ہے۔ سید عابد کہتے ہیں کہ الفاظ و معانی میں مطابقت پیدا کرنا، خیال کے جسم پر الفاظ کا لباس پہنانا کوئی آسان کام نہیں ہے۔

ان کے مطابق علامہ اقبال کے ہاں مطابقت الفاظ و معنی اور خیال نہایت عروج پر ہے اس طرح کی مثال مشرقی ادب میں کم نظر آتی ہے۔ انھوں نے علامہ اقبال کے اشعار کو نقل کرتے ہوئے ان کی مختصر وضاحت و تشریح کی ہے قاری اس کو بار بار پڑھ کر لطف محسوس کرتا ہے۔

می　　شور　　پر　　دۂ　　چشمم　　پرِ کاہے　　گاہے
دیدہ　　ام　　ہر　　دوجہاں　　رابنگاہے　　گاہے
وادیِ　　عشق　　بسے　　دور　　ودراز　　است　　ولے
طے　　شود　　جادۂ　　صد　　سالہ　　بآہے　　گاہے

زبور عجم

عابد علی عابد نے یہ یقیناً علامہ اقبال اور غالب کے کلام میں موجود اعلیٰ تخیل اور الفاظ کے قالب میں بہترین انداز میں خیال پیش کرنے کی صلاحیت و استعداد کو مدّ نظر رکھتے ہوئے لکھا ہے

"ادبیات کی تنقید میں یوں تو ہر منزل کھٹن اور ہر مرحلہ صبر آزما ہوتا ہے لیکن اس راہ میں ایک مقام ایسا بھی آتا ہے جہاں شاعر کی صنعت گری کے سامنے نقاد کا حسنِ بیان عاجز اور زور کلام بیکار ہو جاتا ہے۔"[۱۶]

علائم و رموز

شاعری کی قدیم روایت ہو یا جدید شاعری اس کا اگر مطالعہ کیا جائے تو یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ شعرا دیگر فنی خصوصیات کے ساتھ علائم و رموز استعمال کرتے ہوئے اپنی شاعری میں حسن پیدا کرنے کی سعی کرتے ہیں۔ قدیم شاعری سے لیکر اب تک کی شاعری میں بعض علائم و رموز مشترک ہیں، اکثر شعرا کے ہاں بعض علامت و رمز کے مفہوم و معنی یکساں ہوتے ہیں لیکن بعض نابغہ روزگار اور زیرک شعرا قدیم روایت سے ہٹ کر ان تمام علائم و رموز کو جدید معنی اور مفہوم میں

استعمال کرتے ہیں ان شعرا میں سے ایک اقبال کی شخصیت ہے۔ سید عابد علی نے اقبال کی شاعری میں علائم ورموز کے ارتقائی منزل کی روایت کی وضاحت کی ہے ان کا موقف یہ ہے کہ اگر کوئی شخص علامہ کی شاعری میں موجود ان علائم ورموز کے جدید معنی سے آشنانہ ہوں تو نہ صرف ان کے اشعار کا مطلب نہیں سمجھ سکتا بلکہ حیران ہو کر رہ جاتا ہے۔ علامہ اقبال کے ہاں انسان کامل تک رسائی کے لئے کئی مراحل سے گزرنے کی ضرورت ہے اس کے بغیر کوئی بھی انسانیت کی منزل تک نہیں پہنچ سکتا۔ انھوں نے ارتقائی مراحل اور انسان کامل کے لئے علامہ اقبال نے جو علامات استعمال کیے ہیں ان سے مختصر اور جامع انداز میں بحث کی ہے ان کا کہنا ہے کہ علامہ اقبال کا نظریہ یہ ہے کہ انسان اطاعت وضبط کے مراحل گزر کر نمائندہ الٰہی کی منزل تک پہنچ جاتا ہے اور یہ شرف صرف انسانِ کامل کو حاصل ہوتا ہے۔

علامہ اقبال انسان کامل کے لئے شاہین، مومن، قلندر اور درویش وغیرہ استعمال کرتے ہیں۔ نیابت الٰہی کی منزل تک اس وقت رسائی ممکن ہے جب انسان عقل وخرد سے وابستہ اور تعلق کو محکم رکھے، اس کے بعد کے مرحلے میں عقل ایک خاص حدود تک انسان کامل کے ساتھ چل کر زمامِ عمل کو عشق کے حوالہ کر دیتی ہے یہاں سے عرفان وجدان کی ابتدا ہوتی ہے جو حواس خمسہ سے ماورا علم ہے۔

پروانہ اور جگنو

سید عابد علی عابد کمال انداز میں اقبال کی شاعری میں موجود علائم ورموز اور پنہاں ومخفی گوشوں کو نمایاں کرتے ہیں۔ علامہ اقبال نے شاعری میں پروانہ اور جگنو کو استعمال کیا ہے عابد علی عابد نے ان علامت کے نشیب وفراز اور ارتقا اور آخری منزل کی وضاحت کی ہے۔ ان کے مطابق علامہ اقبال نے پروانے میں جدید مفہوم ومطلب پیدا کیا ہے اور پروانے کو حقیقت کا طالب اور ذوق وجستجو کا مالک قرار دیا ہے اس صفت کو نمایاں کرنے کے بعد جگنو کے ساتھ موازنہ کیا ہے۔

پروانہ　اک　پتنگا،　جگنو　بھی　اک　پتنگا
وہ　روشنی　کا　طالب　یہ　روشنی　سراپا
ہر　چیز　کو　جہاں　میں　قدرت　نے　دلبری　دی
پروانے　کو　تپش　دی　جگنو　کو　روشنی　دی"

عابد علی عابد لکھتے ہیں کہ اقبال اس دور اور مرحلے میں مشوش نظر آتا ہے اقبال پروانے کی تپش اور سوزِ عشق کو بھی بیان کر رہا ہے اور جگنو کے سراپا حسن اور روشنی کو بھی، بقولِ سید عابد کے اس مرحلے پر علامہ اقبال یہ فیصلہ نہیں کر پا رہے تھے کہ جگنو اور

پروانے کا اصل مقام کیا ہے لیکن اقبال ایک قدم بڑھاتے ہوئے شمع و شاعر میں پروانے کو بلند وارفع مقام دیتے ہیں، پیام مشرق میں پروانے کو محبت تام کا مظہر قرار دیتے ہیں ان کے مطابق پیامِ مشرق کی تخلیق کے وقت علامہ اقبال مضبوط ترین بصیرت کے ذریعے اپنا فیصلہ اور نظریہ پیش کرتے ہوئے جگنو کو فوقیت دے کر طالب حقیقت شمار کرتے ہیں۔

علامہ اقبال کا خیال ہے کہ جگنو کسی سے نور نہیں مانگتا اپنے باطنی نور اور روشنی پہ اعتماد کرتا ہے اور منزل کی طرف سفر کرتا ہے اور اس مقام پر خودی کی تربیت ہوتی ہے۔ جگنو خود اعتمادی اور اپنی قوت کے بل بوتے پر منزل کی طرف رواں دواں ہوتا ہے۔ لیکن پروانہ پرائی کی آگ میں جل کر مٹی کا حصہ بن جاتا ہے۔

پروانہ

پروانے　کی　منزل　سے　بہت　دور　ہے　جگنو
کیوں　آتشِ　بے　سوز　پہ　مغرور　ہے　جگنو

جگنو

اللہ　کا　سو　شکر　کہ　پروانہ　نہیں　میں
دریوزہ　گرِ　آتشِ　بیگانہ　نہیں　میں

شاہین

اقبال کی شاعری میں شاہین کا ذکر بھی کثرت کے ساتھ موجود ہے اقبال شاہین کا لفظ استعمال کر کے انسان کامل مراد لیتا ہے اور انسان کامل کی طرف اشارہ کرتا ہے عابد علی عابد کا خیال ہے کہ علامہ اقبال شاہین کہہ کر انسان کامل کے فقر کی طرف اشارہ کرتے ہیں یہاں فقر سے مراد ترکِ دنیا نہیں بلکہ دنیا کی جاہ و حشم کو ٹھکرا کر حقیقی منزل کی تلاش میں گم ہو جانا ہے۔

عابد علی عابد نے شاہین میں پائی جانے والی ہر خصوصیت کی وضاحت غیرت مندی، خوددار زندہ قوموں کی علامت اور نشانی کرتے ہوئے مزید لکھا ہے کہ شاہین کا آشیاں نہ بنانے میں رمز و کنایہ ہے اس کا تعلق امت مسلمہ سے ہے اس میں مغربی تصورِ وطنیت کے خلاف اشارہ بھی ہے اور وطن کی جگہ مذہب کو اتحاد و اتفاق کا ذریعہ قرار دیا ہے۔،

نوا　پیرا ہو اے　بلبل　کہ　ہو　تیرے　ترنم　سے
کبوتر　کے　تنِ　نازک　میں　شاہین　کا　جگر　پیدا
گزر　اوقات　کر لیتا ہے　یہ　کوہ　و بیاباں　میں

کہ شاہین کے لئے ذلت ہے کارِ آشیاں بندی

مومن

اقبال اس شخص کو مومن سمجھتا ہے جو ایمان کے اعلیٰ وارفع مقام تک پہنچ چکا ہو، رسول پاکؐ سے نہایت عقیدت رکھتا ہو اور گفتار کے غازی نہ ہو بلکہ با عمل ہو۔

کافر کی یہ پہچان کہ آفاق میں گم ہے
مومن کی یہ پہچان کہ گم اس میں ہیں آفاق
ہر لحظہ ہے مومن کی نئی شان نئی آن
گفتار میں کردار میں اللہ کی برہان
یہ راز کسی کو نہیں معلوم کہ مومن
قاری نظر آتا ہے حقیقت میں ہے قرآن

تلمیحاتِ اقبال

عابد علی عابد کی اقبال شناسی کی بڑی دلیل یہ ہے کہ انہوں نے 'شعر اقبال اور 'تلمیحاتِ اقبال جیسی بہترین کتابیں تحریر کی ہیں ۔سید عابد علی علامہ اقبال کے فن اور فکر میں ڈوب کر پنہاں گوشوں کو تفصیل سے بیان کیا ہے۔کسی بھی قاری کو کلام اقبال کی تفہیم میں سید عابد علی کی تحریریں بڑی مدد دیتی ہیں ۔اقبال نے ہر طریقے سے اپنی قوم و ملت کو بیدار کرنے کی کوشش کرتے رہے۔

سید عابد علی عابد نے اقبال کی اردو اور فارسی شاعری میں موجود تلمیحات جمع کر کے اقبال شناسی کی راہ کو آسان بنادیا ہے انہوں نے تلمیحات کو حروف تہجی کی ترتیب سے اس کی توضیح و تشریح کی ہے تلمیحات اقبال کے حوالے سے ڈاکٹر سلیم اختر لکھتے ہیں:

"اس نوع کے کاموں میں کتنی محنت، توانائی اور وقت صرف ہوتا ہے اس کا اندازہ لگانا آسان نہیں بلکہ میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ ایسے کام فرد واحد کے بجائے ادبی بورڈ کے کرنے ہوتے ہیں لیکن عابد علی عابد نے تنہا یہ کام کر کے بھاری پتھر اٹھالیا۔"[۱۷]

تلمیحات کی تعداد اور اقسام زیادہ ہیں جیسے فلسفیانہ تلمیحات، تاریخی تلمیحات، شخصیات اور سیاسی حالات کی حامل تلمیحات وغیرہ ۔ڈاکٹر سلیم اختر نے علامہ اقبال کے کلام میں تلمیحات کی تعداد کو بیان کرت ہوئے لکھا ہے کہ بانگ درا میں ۱۰۰، ضرب کلیم میں ۵۲، ارمغان حجاز میں ۱۹، بال جبریل میں ۵۲، زبور عجم میں ۱۳۴، پیام مشرق میں ۷۵، جاوید نامہ ۹۸، پس چہ باید کرد ۱۴ ارمغان حجاز ۱۵، مثنوی مسافر ۲۳، اسرار خودی ۵۵، رموز بے خودی میں ۷ تلمیحات ہیں۔

تلمیحات کسی تاریخی واقعہ، حادثہ یا شخصیات پر مشتمل ہوتی ہیں جب تک تاریخی مطالعہ نہیں کرتا قاری ہر گز اس کے اصل معنی اور مفہوم کو نہیں سمجھ سکتا۔ڈاکٹر سید حامد حسین نے بھی اردو شاعری میں مستعمل تلمیحات اور اصطلاحات کے بارے میں کتاب ترتیب دی ہے اسمیں وہ اس کی اہمیت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں

"ایک مصرعے میں ام البنین نام استعمال ہوا تھا میرے تعجب کی انتہا نہ رہی جب میں نے دیکھ کہ حاشیے پر اس کے معنی کے طور پر بیٹوں کی ماں تحریر ہے لیکن جلد مجھے یہ سوچنے پر مجبور ہونا پڑا۔۔۔اس نام کی اصلیت سمجھنے کے لئے جب تک تاریخ اسلام کی ورق گردانی نہ کی جائے طالب علم کو تسلی بخش جواب نہیں مل سکتا"۔۱۸

بہزاد

خونِ رگ معمار کی گرمی سے ہے تعمیر
میخانۂ حافظ ہو کہ بت خانۂ بہزاد

سید عابد علی عابد نے اس کا پس منظر تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے۔ قاری ان کی تلمیحات اقبال کو پڑھ کر اس تلمیح سے متعلق تمام حقیقت، تاریخ اور امور کو جان سکتا ہے۔ ہمیں سید عابد علی عابد کی محنت اور کاوش کا اس وقت علم ہو جاتا ہے جباس موضوع سے متعلق تحریر کو کسی دوسروں کی تحریر سے موازنہ کرتے ہوئے پیش کرتے ہیں۔ اور دوسروں کی تحریر و تحقیق میں بہت ہی کم اور مختصر معلومات ملتی ہیں جبکہ سید عابد علی عابد کی تحریریں وسیع معلومات پر مشتمل ہیں جیسے یہاں بہزاد ہی کے حوالے سے دیگر محققین کے ہاں دیکھا جائے تو مختصر معلومات نظر آتی ہیں جیسے صاحب اردو شاعری میں مستعمل تلمیحات و مصطلحات میں اس کے متعلق یوں رقمطراز ہیں

"ایران کا ایک مشہور مصور تھا اور عام طور پر مانی کا مد مقابل سمجھا جاتا تھا۔ کمال الدین بہزاد کو تصاویر بنانے میں بڑا کمال حاصل تھا۔ اس نے تیمور نامہ اور بوستان سعدی میں تصاویر بنائی تھیں، شاہ ایران اسماعیل صفوی اس کا قدر دان تھا۔۔۔۔بہزاد کے تعلق سے بت خانۂ بہزاد کی تلمیح استعمال ہوتی ہے"۔۱۹

عابد علی عابد نے اس کی وضاحت میں لکھا ہے کہ مسلمانوں نے مصوری کی طرف توجہ نہیں دی اس کی وجہ فقہی اعتبار سے منع تھا لیکن فن مصوری میں کیسے ترقی آگئی؟ اس کا جواب بھی ملتا ہے کہ جب عباسی حکومت قائم ہوئی ایرانی نفوذ واقتدار سلطنت میں مضبوط ہوگئی اس سے ایران کے قدیم علوم وفنون کو پھیلنے کا موقع ملا مصوری بھی ان میں سے ہے مانیا یک ایرانِ قدیم کا بڑا مفکر تھا اس کو اپنے مذہبی عقائد کی بنیاد پر قتل کیا گیا تھا وہ مصوری کرتا تھا۔ تیمور کے زمانے میں بھی فن مصری کو فروغ حاصل ہوا۔ دربار میں علما اور شعرا کے ساتھ نقاش اور خطاط کو بھی جگہ دی گئی ان تمام امور کے حوالے سے بحث کرنے کے ساتھ سید عابد علی عابد نے بہزاد کے بارے میں لکھتے ہیں؛

"بہزاد کے ہاں نقوش سے زندگی پھوٹتی ہوئی نظر آتی ہے اس کی تصویریں فقط آب و رنگ کے امتزاج کا نام نہیں بلکہ انسانی کیفیات کی ترجمان ہیں۔"[۲۰]

پازند

خاص زبان میں تحریر شدہ زرتشت ایرانی مفکر کا صحیفہ ہے اس صحیفے کو اَوِستا کہتے ہیں اس زبان کا نمونہ نایاب ہے صرف زرتشت کے صحیفوں میں ملتا ہے ان صحیفوں کا بھی اَوِستا ہے اَوِستا کے متن کی وضاحت و تشریح پہلوی زبان میں کی جائے تو زند کہتے ہیں۔ اگر اسی تشریح ووضاحت کو عبارت سہل میں تحریر کی جائے تو دو صورتیں پیدا ہوتی ہیں اگر رسم الخط اَوِستانی استعمال کیا جائے تو اس تفسیر مکرر کو بازند کہیں گے اگر فارسی کلمات استعمال کیئے جائیں تو اس تفسیر کو پارسی کہتے ہیں۔ عابد علی عابد نے ذیل میں تحقیق سے دلچسپی رکھنے والوں کی رہنمائی بھی کی ہے۔

حوالہ جات

۱۔ سلیم اختر، ڈاکٹر، پاکستانی ادب کے معمار 'سید عابد علی عابد شخصیت و فن، اکادمی ادبیات، ۲۰۰۸ء ص ۱۹

۲۔ سلیم اختر، ڈاکٹر، پاکستانی ادب کے معمار 'سید عابد علی عابد شخصیت و فن، اکادمی ادبیات، ۲۰۰۸ء ص ۲۰

۳۔ سلیم اختر، ڈاکٹر، پاکستانی ادب کے معمار 'سید عابد علی عابد شخصیت و فن، اکادمی ادبیات، ۲۰۰۸ء ص ۲۱

۴۔ سید عابد علی عابد، شعر اقبال، بزم اقبال کلب روڈ لاہور ، ۱۹۹۳ء، ص ۱۷

۵۔ "ص ۲۴

۶۔ "ص ۶۵

۷۔ "ص ۷۸

۸۔ "ص

۱۰۔ یوسف سلیم چشتی، پروفیسر، شرح بانگ درا، اعتقاد پبلشنگ ہاوس اردو بازار دلی، ۱۹۶۹ء، ص ۲۰۳

۱۱۔ سید عابد علی عابد، شعر اقبال، بزم اقبال کلب روڈ لاہور ، ۱۹۹۳ء، ص ۱۶۴

۱۲۔ جاوید اقبال، زندہ رود "حیات اقبال کا وسطی دور 'شیخ غلام علی اینڈ سنز پبلشرز، ص ۱۶۳

۱۳۔ "ص ۲۱۹

۱۴۔ سید عابد علی عابد، شعر اقبال، بزم اقبال کلب روڈ لاہور ، ۱۹۹۳ء، ص ۱۹۴

۱۵۔ "ص ۲۰۷

۱۶۔ "ص ۲۴۹

۱۷۔ سلیم اختر، ڈاکٹر، پاکستانی ادب کے معمار 'سید عابد علی عابد شخصیت و فن، اکادمی ادبیات، ۲۰۰۸ء ص ۱۱۷

۱۸۔ سید حامد حسین، ڈاکٹر، اردو شاعری میں مستعمل تلمیحات و مصطلحات، پاشا پرنٹنگ پریس بھوپال، ص ۴

۱۹۔ "ص ۱۲۴

۲۰۔ سید عابد علی عابد، تلمیحاتِ اقبال، مکتبہ جدید پریس نوائے وقت ہاؤس لاہور، ۱۹۸۵ء ص ۳۴۵